علمِ بدیع: تعارف اور چند تجاویز

ڈاکٹر محمد ساجد خان*

Abstract:

The Knowledge of Badi (Rhetoric) is an important field of oriental studies. This study deals with the "Saani-Laafzi" and "Saani-Maanvi" and describes "what are the ways which ornament the speech". This article covers the introduction and important fields of the mentioned study. In this respect, it also analysis the views of some radical critics and illuminates the mutual. Relation between the "Illm-e-Bayaan", "Illm-e-Maani, and "Illm-e-Baadi". In the end, there are given some suggestion which can make this study better and useful regarding the mentioned study. It also highlights the new avenues of research.

بدیع عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی بنانے والا، موجد، نادر، نوایجاد شے اور انوکھا کے ہیں۔ اصطلاح میں ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں کلام کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔

عبداللہ بن معتز عباسی کو علم بدیع کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ جس نے ۲۷۴ھ میں اس علم کے قواعد اختراع کر کے ''بدیع'' نام مقرر کیا۔ عبداللہ بن معتز عباسی نے اس علم کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس میں سترہ قسم کی صنائع درج کیں۔ بعد میں آنے والوں نے صنائع کی تعداد میں اضافہ کیا۔ خاص طور پر عباسی کے ہم عصر علامہ قدآمہ نے ۱۳ صنعتوں کا اضافہ کیا۔ ابو ہلال عسکری، ابنِ رشیق اور ابنِ ابی الاصبح نے بھی اس علم میں کئی اہم اضافے کیے مگر علم بدیع کو بحیثیت ایک علم کے تسلیم کروانے والوں میں عبدالقاہر جرجانی، یوسف اسکاکی، علامہ قزوینی اور سعد الدین تفتازانی کی تحریروں نے اہم کارنامہ سرانجام دیا۔

ذیل میں بدیع کی مختلف تعریفات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ نجم الغنی لکھتے ہیں:

> ''بدیع ایک علم یعنی ملکہ ہے جس سے چند اُمور ایسے معلوم ہوجاتے ہیں جو خوبی کلام کا باعث ہوتے ہیں مگر اول اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور

* استاد شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

اس کی دلالت مقصود پر خوب واضح ہو کیونکہ ان دونوں خوبیوں کے بعد ہی کلام میں محسنات سے حسن وخوبی آ سکتی ہے ورنہ بغیر ان اُمور کی رعایت کے علم بدیع پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے بدشکل عورت کو عمدہ لباس اور زیور پہنا دینا اس وجہ سے اس علم کا مرتبہ علم معنی و بیان کے بعد سمجھا گیا ہے بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی مستقل علم نہیں انہیں کے ذیل میں داخل ہے مگر یہ قول ان کا تحقیق کے خلاف ہے اس لیے کہ اس علم کے رُتبے کے تاخر سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مستقل ایک علم نہ ہو اگر ایسا ہی سمجھا جائے تو بہت سے علوم ایسے نکلیں گے کہ اپنے مراتب کے تاخر کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ نہ رہیں گے اس تقریر سے علم بدیع کا موضوع اور غرض اور غایت اچھی طرح روشن ہوگی۔"(۱)

حدائق البلاغت میں لکھا ہے:

"علمِ بدیع وہ علم ہے جس میں محسناتِ کلام یعنی صنائع لفظی اور صنائع معنوی کی تصریح کی جاتی ہے یعنی بدیع کے بیان میں بتایا جاتا ہے کہ بلاغت کے بعد اور کون سے طریقے ایسے ہوتے ہیں جن سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا کی جاسکتی ہے اگر چہ یہ صنعتیں ضروریاتِ کلام میں سے نہیں کیونکہ ان کے نہ ہونے سے کلام کی ذاتی صفات میں کوئی فرق نہیں آتا مگر جس طرح تشبیہ و استعارہ مجاز اور کنایہ مل کر کلام کو بلیغ بنانے اور زور وتنوع پیدا کرنے میں ممدومعاون ثابت ہوتے ہیں اسی طرح صنعتِ لفظی اور صنعتِ معنوی کلام میں فصاحت اور حسن پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں، لیکن ہر صاحبِ ادب ان اُمور سے بھی مستفید ہوسکتا ہے جب وہ پہلے علمِ بیان اور علم معانی کے قواعد سے خوب اچھی طرح واقفیت حاصل کر کے کلام کو مزین کرنا جانتا ہو۔"(۲)

وقار احمد رضوی لکھتے ہیں:

"علمِ بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعہ تحسین کلام کے طریقے معلوم ہوں خواہ وہ لفظی ہوں یا معنوی انہیں کو صنائع، بدائع اور محاسنِ کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس علم کی غرض یہ ہے کہ کلام نثر و نظم زیورِ حسن سے آراستہ ہو سکے اس کا موضوع صنائع بدائع ہے۔۔۔ علم بدیع کا مرتبہ علمِ معانی اور بیان کے بعد آتا ہے۔"(۳)

علمائے علمِ بدیع کی تعریفات کا جائزہ لینے سے ایک بات سامنے آتی ہے کہ بدیع کی اہمیت علوم بلاغت میں علمِ بیان اور علمِ معانی کے بعد تسلیم کی گئی ہے۔ یعنی کلام پہلے بیان اور معانی کے قواعد سے مزین ہو۔ اگر لکھنے والا ان علوم سے آگاہی نہیں رکھتا تو اس کا کلام اس درجہ پھیکا اور بے کیف ہوگا جیسے کسی بدصورت کو زیور پہنا دینا چنانچہ علم بدیع پر مزید کوئی بات کرنے سے پہلے بدیع، بیان اور معانی کے باہمی تعلق اور روابط کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

علمِ بدیع، علم بیان اور علمِ معانی اس حوالے سے مشترک خصوصیات کے حامل ہیں کہ ان علوم کا مقصد کلام

فصاحت اور بلاغت کے درجے تک پہنچانا ہے۔ ان مشرقی علوم کا مطمع نظر کلام میں حسن اور خوبصورتی پیدا کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ تاہم یہ تینوں علوم اپنے مخصوص دائرہ کار میں رہ کر کلام کی خوبصورتی اور نفاست میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ جیسے علمِ بیان چند ایسے قواعد کا مجموعہ ہے جن کی مدد سے ایک خیال کو مختلف طریقوں سے ادا کیا جا سکتا ہے تاکہ اسلوبِ بیان میں زور اور حسن پیدا ہو اور قاری خیال کے ساتھ ساتھ اس کی پیشکش کے انداز سے بھی متاثر ہو۔ علمِ بیان چار چیزوں سے بحث کرتا ہے۔(۱) تشبیہ، (۲) استعارہ، (۳) مجاز مرسل، (۴) کنایہ: علم معانی کا تعلق ان قواعد سے ہے جو معنی مقصود کو مقتضائے حال کے مطابق ادا کرنے میں فروگذاشت سے بچائے۔ یعنی یہ علم سکھاتا ہے کہ معنی کی پیشکش کا کونسا طریقہ ایسا ہے جو فصاحت اور بلاغت کے معیار پر بھی پورا اترے اور خاطرخواہ ابلاغ بھی ممکن ہو۔ اس علم کا موضوع یہ چیزیں ہیں (۱) مبتدا، (۲) خبر، (۳) لوازم فعل، (۴) قصر، (۵) انشاء، (۶) وصل وفصل، (۷) ایجاز، (۸) اطناب۔ علمِ بیان اور علمِ معانی کے اصولوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ ان علوم کا مقصد ادیب وشاعر کو یہ ترغیب دینا ہے کہ وہ ابلاغ واظہار کے موزوں ترین طریقے سوچے اور ادائے مطلب میں جلدی نہ کرے۔ جب لکھنے والا اپنے خیال کی پیشکش میں محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے غور وفکر اور تحقیق وجستجو سے کام لے گا تو یقیناً فن پارے کا ادبی مقام اور مرتبہ لائق تحسین ہوگا۔ علمِ بیان اور علمِ معانی جب فنِ پارے میں اپنا کام کر چکتے ہیں تو لطیف واردات اور پیچیدہ تجربات کے ابلاغ کے لیے اور کلام میں لفظی اور معنوی حسن پیدا کرنے کے لیے علمِ بدیع کے قواعد آزمائے جاتے ہیں۔ یہ بحث ثابت کرتی ہے کہ علمِ بیان، علمِ معانی اور علمِ بدیع میں سے کسی علم کو ایک دوسرے پر فضیلت یا اہمیت حاصل نہیں بلکہ یہ علوم مل کر فن پارے میں حسن، خوبصورتی، وقار، شائستگی اور ادبیت پیدا کرتے ہیں۔ محض علمِ بیان، معانی یا بدیع کسی فنِ پارے میں وہ خوبصورتی پیدا نہیں کر سکتے جو ان علوم کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔

علمِ بدیع بلاغت کا ایک اہم شعبہ ہے اس شعبے میں کلام میں استعمال ہونے والی صنعتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ صنعت سے کیا مراد ہے۔ مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:

> ''کلام میں کوئی ایسا التزام کرنا جو ادائے مطلب کے لیے ضروری نہ ہو مگر تزئینِ کلام کا فائدہ دے اصطلاح میں صنعت کہلاتا ہے۔''(۴)

ابوالفیض سحر نے بھی مندرجہ بالا تعریف کی تائید کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''چونکہ شاعری خوبصورتی اظہار کا فن ہے اس لیے حسنِ بیان کی جو قدریں اس میں موجود ہوں گی وہ اس کی جمالیات کا حصہ ہوں گی چنانچہ شاعری میں ایسے پیرایۂ اظہار اور اُسلوبِ بیان کا اہتمام کرنا جو محض ادائے مطلب کے لیے ضروری ہیں بلکہ کلام میں مزید حسن ولطافت اور مزید معنی پیدا کرے صنعت کہلاتا ہے۔''(۵)

صنائع دو قسم کی ہیں:

(۱) صنائع لفظی (۲) صنائع معنوی

صنائع لفظی سے مراد وہ خوبیاں ہیں جو لفظوں کو خاص رعایتوں اور ہنر مندی کے ساتھ برتنے سے وجود میں آتی ہے بعض علماء نے ان خوبیوں کو کلام کے حسنِ عارضی سے تعبیر کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظوں کی ان خوبیوں کی وجہ سے کلام خوشگوار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہی لفظی خوبیاں کلام کے فکری اور معنوی اوصاف کو بھی چمکا دیتی ہیں یہ زائد خوبیاں اگر ہمارا ذہن کلام کے معنوی محاسن کی طرف لے جائیں تو انہیں صنائع معنوی کہیں گے اور اگر ان سے ہمارا ذہن الفاظ کی ظاہری خوبیوں کی طرف مائل ہو جائے تو انہیں صنائع لفظی کہیں گے۔ علماء میں صنائع لفظی اور صنائع معنوی کی تعداد کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے بھی دوسرے کی بیان کردہ تعداد سے اتفاق نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ بدیع کی ہر کتاب میں صنائع کی تعداد مختلف ہے۔ کسی نے بیس تیس صنائع کا ذکر کیا ہے تو کسی نے ستر اَسّی کا۔ البتہ پروفیسر وقار احمد رضوی نے صنائع لفظی اور صنائع معنوی ہر دو کی تعداد بتیس بتائی ہے یعنی کل چونسٹھ۔

پروفیسر وقار احمد رضوی کے علاوہ علمِ بدیع کے کسی مرتب اور شارح نے صنعتوں کی تعداد کے حوالے سے عددی (Figural) دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ صنائع لفظ و معنی کی مجموعی تعداد پروفیسر رضوی کی بیان کردہ تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ مثلاً ''حدائق البلاغت'' میں ۴۵ صنائع لفظی اور ۴۹ صنائع معنوی درج ہیں (کل ۹۴)۔ معیارِ البلاغت از دیبی پرشاد میں صنائع لفظی کی تعداد ۵۰ اور معنوی کی تعداد ۵۶ ہے (کل ۱۰۶)۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے ''بحر الفصاحت'' میں ۶۶ صنائع لفظی اور ۵۳ صنائع معنوی سے بحث کی ہے (کل ۱۱۹)۔ ''نسیمِ البلاغت'' از جلال الدین احمد جعفری میں ۳۵ صنائع لفظ اور ۴۶ صنائع معنی درج ہیں (کل ۸۱) جبکہ سید عابد علی عابد نے ''البدیع'' میں ۲۲ صنائع لفظی اور ۲۵ صنائع معنوی کو شامل کیا ہے (کل ۴۷)۔ سید عابد علی عابد نے نسبتاً تعداد میں کم صنائع سے بحث کی ہے۔ عابد کے نزدیک ''بیشتر صنائع خیرہ سری اور شعبدہ گری سے مشابہ ہیں'' اسی لیے انہوں نے صنائع کے انتخاب پر زور دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''صنعتوں میں سے صرف وہ صنعتیں بحث کے لیے انتخاب کروں گا جو نمودِ حسن اور فنِ بدیع کے منصب کو پورا کرتی ہیں ورنہ محض پرانی کتابوں کی صنعتوں کی فہرست مرتب کر دینا بے معنی ہے۔''(۷)

سید عابد علی عابد سے قبل مسعود حسن رضوی ادیب اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی صنائع کے انتخاب کی تجویز دی تھی (۸)۔ سید عابد علی عابد نے اپنی کتاب میں انتالیس صنائع کا ذکر کیا ہے جن میں سے بعض کا انتہائی مختصر۔ انہوں نے اپنے انتخاب کے معیار کی بھی کوئی وضاحت نہیں کی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صنائع کا جب انتخاب مرتب کرنے بیٹھیں تو ہمارے نزدیک معیار کیا ہوگا؟ کیا محض ذوق؟ اگر ذوق کو بنیاد بنا کر بدیع کو نئی ترتیب سے مرتب کریں تو مختلف انتخابات میں صنائع کی وہ تمام اقسام اکٹھی ہو جائیں گی جو ہمیں موجودہ بدیع کی کتب میں دستیاب ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ صنائع کے انتخاب پر توانائیاں صرف کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اساتذہ کے دواوین

کو کھنگالیں اور دستیاب صنائع کی اچھی مثالوں کو جمع کریں جس سے بعض صنائع کے بارے میں پائی جانے والی بدگمانی کو نہ صرف دور کیا جاسکے گا بلکہ قارئین کو علمِ بدیع کی اہمیت سے بھی روشناس کرایا جاسکے گا۔ تاہم یہاں علمِ بدیع کی معتبر کُتب (۹) کی مدد سے صنائع لفظی اور معنوی کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو یقیناً حتمی نہیں۔

صنائع لفظی:

۱۔ تجنیس تام (مستوی ومماثل)	۲۔ تجنیس ناقص وزائد	۳۔ تجنیس مرفوء
۴۔ تجنیس مرکب (متشابہ، مفروق)	۵۔ تجنیس محرف	۶۔ تجنیس خطی
۷۔ تجنیس مضارع ولاحق	۸۔ ردالعجز علی الصدر	۹۔ اشتقاق
۱۰۔ سجع	۱۱۔ ذوالقوافی	۱۲۔ قلب
۱۳۔ تصحیف	۱۴۔ سیاقۃ الاعداد	۱۵۔ اعنات (لزوم مالیلزم)
۱۶۔ منقوطہ	۱۷۔ غیر منقوطہ	۱۸۔ براعت استہلال
۱۹۔ رقطا	۲۰۔ خیفا	۲۱۔ مقطع
۲۲۔ موصل	۲۳۔ واسع الشفتین	۲۴۔ واصل الشفتین
۲۵۔ فوق النقاط	۲۶۔ موازنہ	۲۷۔ تلمیح
۲۸۔ توشیح	۲۹۔ تلمیع	۳۰۔ ترصیع
۳۱۔ تضمین	۳۲۔ شبہ اشتقاق	۳۳۔ صنعت تکرار
۳۴۔ متتابع	۳۵۔ قطار البعیر	۳۶۔ نظم النثر
۳۷۔ ترافق	۳۸۔ تفریع	۳۹۔ تنسیق الصفات
۴۰۔ صنعت تاریخ		

صنائع معنوی:

۱۔ تضاد (طباق یا تطبیق)	۲۔ مقابلہ	۳۔ مراعات النظیر	۴۔ مشاکلہ
۵۔ مزاوجت	۶۔ ارصاد	۷۔ رجوع	۸۔ ایہام (توریہ)
۹۔ استخدام	۱۰۔ لف ونشر	۱۱۔ جمع	۱۲۔ تفریق
۱۳۔ تقسیم	۱۴۔ عکس وتبدیل	۱۵۔ جمع وتفریق	۱۴۔ جمع وتقسیم
۱۵۔ جمع وتفریق وتقسیم	۱۶۔ تجرید	۱۷۔ مبالغہ	۱۸۔ مذہب کلام
۱۹۔ تدبیج	۲۰۔ مذہب کلام	۲۱۔ حسن تعلیل	۲۲۔ تاکید المدح بمایشبہ الذم
۲۳۔ تاکید الذم بمایشبہ المدح	۲۴۔ استتباع	۲۵۔ ادماج	۲۶۔ توجیہہ
۲۷۔ اہزل الذیر ادبہ الجد	۲۸۔ تجاہل عارفانہ	۲۹۔ قول بالموجب	۳۰۔ اعتراض (حشو)

۳۱۔ تعجب ۳۲۔ اطراد ۳۳۔ ایہام تضاد ۳۴۔ ایہام تناسب
۳۵۔ تشابہ الاطراف ۳۶۔ سوال وجواب ۳۷۔ ہجو ملیح ۳۸۔ استدراک
۳۹۔ محتمل الضدین ۴۰۔ موقوف ۴۱۔ ترجمۃ اللفظ

ڈاکٹر سید عبداللہ صنائع لفظی اور معنوی کی اس تقسیم سے متفق نہیں۔انہوں نے حسن کی اس تقسیم سے بھی اختلاف کیا ہے وہ صنائع کی تقسیم جمالیاتی نقطۂ نظر سے چاہتے ہیں۔لکھا ہے:

''کلام میں حسن کے عناصر کی تلاش نہ صرف بیان ومعنی کے اُصولوں کی روشنی میں کرنی چاہیے بلکہ صنائع میں ان عناصر کا سراغ اُصولی جمالیات کے ذریعے لگانا چاہیے اس کے لیے صنائع کی موجودہ تقسیم کو بالائے طاق رکھ کر ان کی تقسیم جمالیاتی نقطۂ نظر سے کرنی پڑے گی یا پھر اُسلوب کی ضروریات کے پیشِ نظر ان کو دیکھنا پڑے گا۔۔۔اس سلسلے میں سب سے پہلے صنائع کی موجودہ تقسیم کو ترک کر دینا چاہیے لفظی اور معنوی تقسیم سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔''(۱۰)

ڈاکٹر سید عبداللہ کی تجویز سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ علمِ بدیع کی تدوین نو چاہتے ہیں مگر انہوں نے ''جمالیاتی نقطۂ نظر'' کی وضاحت نہیں کی جس کی مدد سے صنائع کو نئی ترتیب پر مرتب کیا جاسکے اور نہ اس بات پر روشنی ڈالی کہ وہ کونسی ''اسلوب کی ضروریات'' ہیں جو متقاضی ہیں کہ صنائع کی پرانی ترتیب کو ترک کر دیا جائے۔ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ لفظی اور معنوی تقسیم کو ختم کرنے کی بجائے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر دو صنائع کی مختلف اقسام کی صحیح تر اور جامع تعریف وضع کی جائے کیونکہ علمِ بدیع کے مرتبین اور شارحین نے اس ذیل میں بہت خلط مبحث کر دیا ہے۔ شارحین لفظ اور معنی کے تقدم اور تاخر کی بحث میں الجھے رہے اسی لیے کسی نے صنائع معنوی کے ذکر کو مقدم رکھا اور صنائع لفظی کو اس کے بعد موضوع بحث بنایا تو کسی نے ترتیب اس کے برعکس رکھی۔ اہل علم وادب بخوبی آگاہ ہیں کہ صنائع کے حوالے سے تقدم اور تاخر کی اس بحث سے کچھ حاصل نہیں۔ مستقبل میں علمِ بدیع کے مرتبین کو ان لاحاصل مباحث میں پڑنے کی بجائے اپنی توانائیاں لفظی اور معنوی صنائع کی بہتر مثالوں کی تلاش میں صرف کرنی چاہیں۔ بہتر اور کارآمد مثالوں کی تلاش کے لیے اساتذہ کے دواوین کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مسعود حسن رضوی ادیب، ڈاکٹر سید عبداللہ اور سید عابد علی عابد کو اگرچہ علمِ بدیع کی موجودہ ترتیب پر تحفظات ہیں اسی لیے ان ناقدین نے صنائع کے انتخاب کی ضرورت پر زور دیا لیکن ان ناقدین کے پیشرو مولانا حالیؔ، مولانا شبلیؔ، عبدالرحمٰن بجنوریؔ اور امداد امام اثرؔ تو اس علم کی اہمیت سے یکسر انکاری ہیں۔ یہ بزرگ سخت الفاظ میں صنائع بدائع کو مطعون اور ان کو اپنے کلام میں استعمال کرنے والے شعراء کو شعبدہ باز اور لفظوں کے بازی گر قرار دیتے رہے ہیں۔ حالی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صنائع بدائع پر کلام کی بنیاد رکھنے سے معنی کا سررشتہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور شعر کی تاثیر زائل ہو جاتی ہے اس لیے تمام اصنافِ سخن خصوصاً غزل میں صنائع بدائع کے استعمال سے بچنا چاہیے۔ ان

کے نزدیک صنائع بدائع نے ہماری شاعری سمیت تمام لٹریچر کو صدمہ پہنچایا ہے (۱۱)۔ مولانا شبلی نے حالی کے خیالات کی پیروی کرتے ہوئے صنائع بدائع کو شاعری اور انشاء پردازی کا دیباچۂ زوال قرار دیا ہے (۱۲)۔ عبدالرحمٰن بجنوری کا لہجہ صنائع بدائع کی مخالفت میں حالی اور شبلی کی نسبت زیادہ کاٹ دار ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''جس طرح اقلیدس کے خطوط سے خوبصورت سراپا نہیں بن سکتا، صنائع اور بدائع سے خوب کلام ترتیب نہیں پا سکتا۔ قابلِ عزت ہیں وہ تمام فضلا جنھوں نے علمِ صنائع اور بدائع کو فروغ دیا لیکن اگر ان کی تمام کتابیں جلا دی جائیں تو شعر کا ذرا بھی نقصان نہیں ہوگا۔'' (۱۳)
>
> سید امداد امام اثر نے بھی صنائع بدائع کو ''لغویات'' اور ''ڈھکوسلے'' قرار دیا ہے (۱۴)۔

مندرجہ بالا آراء اُردو ادب و تنقید کی ان بزرگ شخصیات کی ہیں جن کا شمار کلاسیک میں ہوتا ہے۔ توازن، عدل، تحقیق اور جستجو کا درس دینے والے ان ناقدین کا اسلوب اور لفظیات یہ ثابت کرتے ہیں کہ خود ان ناقدین کی آراء سراسر انتہا پسندی ہے اور ان کے بیانات تحقیق کے خلاف ہیں۔ مولانا حالی کا یہ کہنا کہ صنائع بدائع کے استعمال سے معنی کا سررشتہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ بڑی مضحکہ خیز بات لگتی ہے کیونکہ صنائع معنوی کی تشکیل علماء نے ان خطوط پر کی ہے کہ ان کے استعمال سے معنی میں نہ صرف حسن پیدا ہوتا ہے بلکہ ابلاغ میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ صنائع معنوی کا تو کام ہی معنی آفرینی اور ابلاغ کی تکمیل ہے اس لیے مولانا حالی کا بیان سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ مغربی شعر و ادب کے اثرات قبول کرنے کے باوصف مشرقی اندازِ نقد کو بے فائدہ اور بے کار قرار دیتے ہیں۔ مولانا شبلی نے نے صنائع بدائع کو اُردو شاعری اور انشاء پردازی کا دیباچۂ زوال قرار دیا ہے۔ اُردو شاعری کے ''زریں دور'' کو دیباچۂ زوال کہنا۔۔۔ایں چہ بوالعجبی است۔۔۔؟ علمِ بدیع کے شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ صنائع بدائع کے عروج کا زمانہ میر اور سودا کا عہد ہے۔ اس میں آتش اور ناسخ کے دور کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ خود میر صاحب نے نکات الشعراء میں اپنے انداز کی وضاحت کرتے ہوئے صنائع بدائع کو تمام محاسن شعری میں سب سے زیادہ پسند کیا اور دوسرے شعراء کو بھی ان کے استعمال کا مشورہ دیا ۱۵۔ اس کے برعکس مولانا شبلی صنائع بدائع کو شاعری کا دیباچۂ زوال قرار دیتے ہیں۔ مولانا حالی اور علامہ شبلی کی طرح مولانا بجنوری اور سید امداد امام اثر کے بیانات بھی محض فنِ بدیع سے عدم واقفیت کا اظہار ہیں۔ یہ بزرگ ثانوی ذرائع سے مغرب کے ادبی تصورات سے کچھ واقفیت حاصل کر کے مشرقی علوم پر مغربی فکر کو ترجیح دینے لگے۔

صنائع بدائع کے استعمال پر سخت ردِ عمل کا اظہار کرنے والے ناقدین کی آراء کے برعکس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دو کو چھوڑ کر اکثر صنعتوں پر لغو یا کمتری کا الزام نہیں لگایا جا سکتا مگر اس بات میں شبہ نہیں کہ علمِ بدیع کے مرتبین نے صنائع کی مختلف اقسام کی مثالوں میں جو اشعار درج کیے ہیں وہ کمتر درجہ کے حامل ہیں ان اشعار میں سے بعض کو پڑھ کر تو یہ احساس ہوتا ہے کہ شائد موقع کی مناسبت سے گھڑ کر شامل کر دیئے ہیں یا اپنے ہونہار شاگردوں سے کہلوا کر علمِ بدیع کی کتابوں کی زینت بنا دیئے گئے ہیں۔ اس صورتِ حال میں قصور علمِ بدیع یا صنائع بدائع کا نہیں بلکہ خود اس

علم کے مرتبین کا ہے کہ اچھی مثالوں کی تحقیق کی بجائے سہل پسندی کا شکار ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں قارئین بدیع کے ساتھ ساتھ اس علم کے مرتبین سے بھی بیزار ہوگئے۔ اسی لیے اس علم کی طرف خاطرہ خواہ توجہ نہیں کی جاسکی ابھی تک اس علم کے بہت سے گوشے تشنۂ تحقیق ہیں مثلاً ابھی سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے نمائندہ شعرا کے کلام کا مطالعہ علمِ بدیع کی روشنی میں کرنا باقی ہے۔ مستقبل کے محقق نے ان تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور ادبی عوامل کا بھی سراغ لگانا ہے جن کی بدولت صنائع بدائع اور دیگر مشرقی علوم کی طرف ایک خاص عہد کے شعراء کا لگاؤ نسبتاً زیادہ رہا اور ان کا تخلیقِ شعر کا سب سے بڑا مقصد صنائع بدائع کو بہتر سے بہتر انداز میں موزوں کرنا ٹھہرا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان عوامل کا بھی تجزیہ ہونا چاہیے جن کے طفیل ہماری نسل علومِ بلاغت سے دور ہوگئی اور اِن علوم سے عدم واقفیت کی وجہ سے کلاسیکی شاعری کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ نجمی، نجم الغنی: ''بحرالفصاحت''، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۶ء، ص۸۹۲۔

۲۔ سجاد مرزا بیگ: ''تسہیل البلاغت'' صوفی پبلشرز، دہلی، ص۷۹۔

۳۔ وقار احمد رضوی: ''تاریخِ نقد'' نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص۶۴۔

۴۔ ادیب، مسعود حسن رضوی: ''ہماری شاعری''، پاپولر پبلشنگ ہاؤس چوک اردو بازار لاہور، سن ندارد، ص۸۹۔

۵۔ فاروقی، شمس الرحمٰن: مضمون مشمولہ ''درسِ بلاغت'' ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص۳۹۔

۶۔ وقار احمد رضوی: ''تاریخِ نقد''، ص۶۵۔

۷۔ عابد علی عابد، سیّد: ''البدیع''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۱۱۲۔

۸۔ ادیب، مسعود حسن رضوی: ''ہماری شاعری''، ص ___، ڈاکٹر سید عبداللہ: مضمون مشمولہ ''اورینٹل کالج میگزین''، مئی ۱۹۴۹ء، ص۵۲۔

۹۔ حدائق البلاغت، ترجمہ خدیجہ شجاعت علی، معیار البلاغت، از دیبی پرشاد، بحر والفصاحت از نجم الغنی رام پوری، نسیم البلاغت، از جلال الدین احمد جعفری، تسہیل البلاغت، از مرزا سجاد بیگ دہلوی۔

۱۰۔ ڈاکٹر سید عبداللہ: مضمون مشمولہ ''اورینٹل کالج میگزین''، مئی ۱۹۴۹ء، ص۵۲۔

۱۱۔ حالی، الطاف حسین: ''مقدمہ شعروشاعری''، پاپولر پبلشنگ ہاؤس چوک اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۷۷۔

۱۲۔ شبلی، علامہ نعمانی: ''موازنہ انیس و دبیر''، تاج بک ڈپو، لاہور، سن ندارد، ص۹۵-۹۶۔

۱۳۔ بجنوری، عبدالرحمٰن: ''محاسنِ کلامِ غالب''، اُتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، ص۲۰-۲۱۔

۱۴۔ امداد امام اثر، کاشف الحقائق، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، دہلی ۱۹۸۲ء، ص۹۰۔

۱۵۔ میر تقی میر، نکات الشعراء، انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت دوم ۱۹۷۹ء، ص۹۰۔